محمد حمزہ فاروقی

اقبال کی اُردو شاعری اور موجودہ پاکستان

ABSTRACT

Iqbal's Urdu poetry and today's Pakistan
By Muhammad Hamza Farooqi, Karachi.

What Iqbal had dreamt of is a reality today. Many of visions of Iqbal and his prophecies that he penned decades age are a reality now. Pakistan, too, was a dream of Iqbal and his poetry has many ideas that can be applied to today's Pakistan. This article analyses Iqbal's Urdu poetry and traces similarities between the two.

اقبال نے برسوں پہلے مغربی تہذیب اور مسلم ممالک کے ٹکراؤ کے جس خدشے کا ذکر اپنے اشعار میں کیا تھا آج ان کی تعبیر سامنے آرہی ہے۔انھوں نے نہ صرف ان عوامل کی طرف اشارہ کیا تھا بلکہ ان کا مقابلہ کرنے کے لیے قوم کی تعمیرِ نو کا بھی ایک پروگرام پیش کیا تھا۔

اقبال نے ۱۹۲۷ء میں خود اپنے بارے میں ارشاد فرمایا تھا۔

میر و میرزا بہ سیاست دل و دیں باختہ اند
جز ''برہمن یسرے'' محرمِ اسرار کجاست

یعنی ''میر و میرزا''یعنی ہندوستان میں باہر سے آنے والے مسلمانوں نے نہ اپنے جذباتِ دلی اور نہ دین کا احترام مدّنظر رکھا لیکن ایک ''برہمن یسر'' کو اللہ نے محرمِ اسرار بنا دیا۔''برہمن یسرے'' سے مراد خود اقبال ہیں۔ان کے آباواجداد کشمیری پنڈت تھے۔اقبال نسلاً سپرو خاندان تھے جو کشمیری پنڈتوں سے تعلق رکھتی تھی(۱)۔

اقبال جس زمانے میں ''زبورِ عجم'' تصنیف فرما رہے تھے تو آپ نے فرمایا تھا کہ ؎

بگزر از خاور اِفسونیِ افرنگ مشو
کہ نیرزد بہ جوئے ایں ہمہ دو دیرینہ و نو
آں نگینے کہ باتو اہرمناں باختہ لی
ہم بہ جبریل امینے نشواں کرد گرد

اقبال نے قوم کو خودداری کا پیغام دیا تھا اور اپنی تہذیب و ثقافت جس کی جڑیں اسلامی تہذیب میں پیوست تھیں اسے ترک نہ کرنے اور ''افسونیِ فرنگ'' سے اجتناب پر زور دیا تھا۔

دوسرے شعر میں آپ نے فرمایا تھا کہ لوگ اپنا نگیں جبریلِ امیں سے لے کر شیطانی قوتوں کے ہاتھوں گروی رکھ رہے تھے۔یعنی اللہ نے مسلمانوں کو جو امانت سونپی تھی وہ اہرمنی قوتوں کے ہاتھوں گروی رکھی جارہی تھی۔

اقبال نے مسلمانوں کو نہ صرف اہرمنی قوتوں سے خبردار کیا بلکہ انھوں نے مسلمانوں کو وہ اسلوبِ سیاست بھی سمجھایا جسے اختیار کر کے وہ دُنیا کی قیادت کر سکتے تھے۔آپ نے فرمایا ؎

سروری در دینِ ما خدمت گری است
عدلِ فاروقی و فقرِ حیدری است
آں مسلماناں کہ مہری کردہ اند
در شہنشاہی فقیری کردہ اند
در امارت فقر را افزودہ اند
مثلِ سلمان در مدائن بودہ اند(۲)

اقبال نے ان شخصیات کے طرزِ عمل کی نشان دہی جسے اختیار کر کے مسلمان سیاست اور رُوحانیت کے اعلیٰ نصب العین کو حاصل کر سکتے تھے۔ان کی بنیاد ''عدلِ فاروقی'' اور ''فقرِ حیدری'' پر تھی۔ان کے امیر مثلِ سلمان فارسیؓ سیادت کے مرتبۂ بلند پر فائز ہونے کے باوجود فقرِ غیور ترک کرنے پر آمادہ نہ تھے۔

اقبال کو صحرائی باشندوں اور مردِ کہستانی سے بڑی توقعات وابستہ تھیں۔ان کی شخصیت کی تعمیر آزاد فضا میں ہوئی تھی اور وہ تہذیبِ جدید کی منافقت سے متاثر نہ تھے۔اقبال نے ان کے متعلق فرمایا تھا ؎

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی یا مردِ کہستانی
دُنیا میں محاسب ہے تہذیبِ فسوں گر کا
ہے اس کی فقیری میں سرمایۂ سلطانی
یہ حُسن و لطافت کیوں وہ قوت و شوکت کیوں
بُلبل چمنستانی ، شہبازِ بیابانی(۳)

مردِ صحرائی اور بندۂ کہستانی میں یہ صلاحیت تھی کہ وہ دلبری یا قاہری کا پیکر تھا۔بزم میں اگر وہ بلبل کی طرح چہکتا تھا تو میدانِ کارزار میں وہ ''شہبازِ بیابانی'' کا کردار انجام دیتا تھا۔یہ شہباز خود شناس و خودنگر و خوددار تھا۔دوسرے کے مارے ہوئے شکار پر نہ لپکتا تھا۔اقبال کو ہندی مسلمانوں سے شکوہ تھا۔

یورپ کی غلامی پہ رضا مند ہوا تُو

مجھ کو تو گِلہ تجھ سے ہے یورپ سے نہیں ہے(۴)

اقبال بندۂ صحرائی یا مردِ کہستانی سے اس قدر متاثر تھے کہ انھوں نے ۲۷ر نومبر ۱۹۳۱ء کو مسولینی سے ملاقات کے دوران ایران اور اطالیہ کا موازنہ کیا لیکن ایرانیوں کو اس اعتبار سے افضل قرار دیا تھا کہ ایران کے شمال میں ترکمان آباد تھے اور مغرب میں عرب قبائل تھے جو اپنا خون دے کر ایران کو پھر زندہ اور قوی کر دیں گے۔ جبکہ اطالیہ کے ارد گرد مہذب اقوام تھیں اس لیے اطالیہ کو تازہ خون میسّر نہ آئے گا۔

اقبال نے فرمایا:

''اطالیہ کی موجودہ حالت اور اس کی حل طلب مشکل بہت حد تک ایسی ہے جیسی کہ قبل از اسلام ایران کی تھی۔ ایران کی تہذیب فرسودہ تھی اور قوم کے قویٰ شل ہو چکے تھے۔ ان کو تازہ خون کی ضرورت تھی۔ ایران کی خوش قسمتی سے اس کے جوار میں عرب کی جری اور بادیہ پیما قوم تھی جس نے ایران کو اپنا تازہ اور خالص خون دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایران میں حیات کی ایک نئی لہر دوڑ گئی اور یہ قوم ایک پُرشکوہ تہذیب کی حامل اور علَم بردار ہوئی۔ عربی خون کی بدولت ان میں بہترین اہلِ فن، اہلِ سیاست اور اہلِ سیف پیدا ہوئے۔ اسی طرح روما کے زوال کے بعد گاتھ اور جرمن قوموں نے اطالیہ کو اپنا خون دیا اور اسے قرونِ وسطیٰ نشاۃِ ثانیہ نصیب ہوئی۔''(۵)

اقبال نے موجودہ پاکستان میں بسنے والی اقوام سے خطاب کے دوران فرضی کرداروں کو اختیار کیا۔ مثلاً ''محراب گل افغان کے افکار''، ''ملا زادہ ضیغم لولابی کشمیری'' اور ''بڈھے بلوچ کی نصیحت بیٹے کو'' مقصد یہ تھا کہ ان اقوام تک اقبال کا پیغام ان کے جانے پہچانے کرداروں کے ذریعہ پہنچایا جائے۔ مثلاً ''بڈھے بلوچ کی نصیحت بیٹے کو'' میں اقبال فرماتے ہیں:

دُنیا کو ہے پھر معرکۂ رُوح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو اُبھارا
اللہ کو پامردیِ مومن پہ بھروسا
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا(۶)

آج کے تناظر میں دیکھیے تو بلوچستان میں ''تہذیب'' کے ان ''درندوں'' کو آپ بخوبی پہچان سکتے ہیں جن کی نشان دہی اقبال نے کی تھی۔

اقبال نے ''پنجاب کے پیرزادوں سے'' مخاطب ہو کر فرمایا تھا ؎

عارف کا ٹھکانا نہیں وہ خطّہ کہ جس میں

پیدا کُلہِ فقر سے ہو طرّہِ دستار
باقی کُلہِ فقر سے تھا ولولۂ حق
طروں نے چڑھایا نشۂ خدمتِ سرکار(۷)

موجودہ دور کے سیّدزادوں اور پیرزادوں کی روش کا مشاہدہ کرنے سے حقیقتِ حال واضح ہوجائے گی اور اہلِ نظر کی بیزاری کی وجوہ بھی آشکارا ہوجائیں گی۔لیکن قصور ان کا نہیں، ان شاطر قوتوں کا ہے جنھوں نے عوام وخواص کو بے معنی جنگوں میں اُلجھایا تھا۔اقبال نے اس صورتِ حال کے بارے میں فرمایا تھا ؎

اس کھیل میں تعینِ مراتب ہے ضروری
شاطر کی عنایت سے تو فرزیں، میں پیادہ
بیچارہ پیادہ تو ہے اک مہرۂ ناچیز
فرزیں سے بھی پوشیدہ ہے شاطر کا ارادہ(۸)

تیسری دُنیا کے بیشتر حکمران جو امریکا یا فرنگ کی کٹھ پتلی کے فرائض انجام دے رہے ہیں، موجودہ دور میں اس شعر کی تفسیرِ عملی ہیں۔اس صورتِ حال سے نکلنے کے لیے اقبال خودنگری وخودانحصاری کی تعلیم دیتے تھے۔آپ نے ''پنجاب کے دہقان سے'' خطاب میں فرمایا ؎

زمانے میں جھوٹا ہے اس کا نگیں
جو اپنی خودی کو پرکھتا نہیں
بتانِ شعوب و قبائل کو توڑ
رسومِ کہن کے سلاسل کو توڑ(۹)

مشکل یہ ہے کہ آج بھی استحصالی نظام بدستور جاری ہے اور بندۂ مزدور اور کسان اب بھی تلخیِ ایّام کا شکار ہیں۔انتخابات بھی نہ تو ان کی خودی کو پرکھنے کا موقع فراہم کرتے ہیں اور نہ ہی شعوب وقبائل کی زنجیریں ڈھیلی ہوتی ہیں۔پاکستان اسلام کے نام پر وجود میں آیا تھا۔پاکستانی قوم نے اسلام کی وہ خدمت نہیں کی جو اس سے متوقع تھی لیکن پاکستان کے وجود کو اور پاکستانی قوم کو اسلام ہی سے بچا سکتا ہے۔اقبال قوم کے نوجوانوں کو خوددار وہنرمند دیکھنا چاہتا تھا۔وہ ''مئے افرنگ'' کے تلخ وزہریلے اثرات سے اس قوم کو محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔

کل اپنے مریدوں سے کہا پیرِ مغاں نے
قیمت میں یہ معنی ہے دُرِناب سے وہ چند
زہراب ہے اس قوم کے حق میں مئے افرنگ

جس قوم کے بچّے نہیں خوددار و ہنرمند (۱۰)

تہذیبوں کے تصادم کا نظریہ گزشتہ دو عشروں میں نمایاں ہو کر سامنے آیا ہے۔ اشتراکیت کے زوال کے بعد امریکی اور یورپی سامراج نے اسلام اور اسلامی معاشروں کو اپنا مدّمقابل گردانا لیکن اقبال کی نگاہِ دُور بین نے اس کا اندازہ بہت پہلے کر لیا تھا اور اہرمنی طاقتوں کے عزائم بھانپ لیے تھے۔ گزشتہ عشرے میں جو کچھ افغانستان اور عراق میں ہوا اور اب پاکستان میں ہو رہا ہے، اس تناظر میں اقبال کے مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ فرمائیے۔ ''ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام'' میں اقبال نے فرمایا ؎

لا کر برہمنوں کو سیاست کے پیچ میں
زناریوں کو دیرِ کہن سے نکال دو
وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
رُوحِ محمد ﷺ اس کے بدن سے نکال دو
فکرِ عرب کو دے کے فرنگی تخیّلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو
افغانیوں کی غیرتِ دیں کا ہے یہ علاج
ملّا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو(۱۱)

یہ غالباً اتفاق نہیں کہ آج زناری اور برہمن ''دیرِ کہن'' سے نکل کر امریکی سامراج کے ہراول دستے کا کام انجام دے رہے ہیں کیونکہ اسلام دُشمنی دونوں میں قدرِ مشترک ہے۔

اقبال نے آنے والے دنوں کا نقشہ مزید وضاحت کے ساتھ ''ابلیس کی مجلسِ شوریٰ ۱۹۳۶ء'' میں پیش کیا تھا۔ ان کے نزدیک اشتراکیت مغربی تہذیب کے بطن سے پیدا ہونے والا فرینکسٹائن تھا جو اپنے اندرونی تضادات پر خود ہی بکھرنے والا تھا۔ ''ابلیس کا ایک مشیر'' اسے مخاطب کر کے یہ کہتا ہے ؎

گرچہ ہیں تیرے مرید افرنگ کے ساحر تمام
اب مجھے ان کی فراست پر نہیں ہے اعتبار
وہ یہودی فتنہ گر وہ رُوحِ مزدک کا بروز
ہر قبا ہونے کو ہے اس کے جنوں سے تار تار
زاغِ دشتی ہو رہا ہے ہمسرِ شاہین و چرخ
کتنی سرعت سے بدلتا ہے مزاجِ روزگار (۱۲)

اپنے مشیر دراندیشہ ہائے دُور دراز کا جواب ابلیس نے ان اشعار میں دیا اور اشتراکیت کی بجائے شیطانی نظام کے لیے اسلام کو خطرہ قرار دیا۔ اقبال اشتراکیت اور مزدکیت کو اپنی رُوح کے اعتبار سے ایک ہی نظام تصوّر کرتے تھے۔ کارل مارکس سے صدیوں قبل ایرانی مفکر مزدک نے زر، زمین اور زن مشترکہ کا تصوّر دیا تھا۔

دستِ فطرت نے کیا ہے جن گریبانوں کو چاک
مزدکی منطق کی سوزن سے نہیں ہوتے رفو
کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ گرد
یہ پریشاں روزگار، آشفتہ مغز، آشفتہ مُو
ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو
جانتا ہے، جس پہ روشن باطنِ ایام ہے(۱۳)
مزدکیّت فتنۂ فردا نہیں، اسلام ہے

اقبال نے مغربی تہذیب اور یورپی استعمار کے لیے نہ صرف خطرے کی نشان دہی کی تھی بلکہ اسلامی نظام کی ان خصوصیات کا بھی ذکر کیا جو مغربی تہذیب کے لیے خطرناک ہو سکتے تھے۔ ابتدا میں ان خرابیوں کی طرف اشارہ کیا جو بنی نوعِ انسان کے مصائب میں اضافے کا اور ابلیسی نظام کی تقویت کا موجب بنے۔

کاروبارِ شہریاری کی حقیقت اور ہے
یہ وجودِ میر و سلطاں پر نہیں ہے منحصر
مجلسِ ملّت ہو یا پرویز کا دربار ہو
ہے وہ سلطاں، غیر کی کھیتی پہ ہو جس کی نظر
تُو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک تر!(۱۴)

مغربی نظام کی خامیاں اور تضادات عیاں کرنے کے بعد اقبال نے اسلام کے سیاسی اور معاشی نظام کی برکات بیان کیں اور ''ابلیسی'' نظام کے لیے خطرات کا ذکر کیا۔ اس نظم میں ابلیس اپنے مشیروں کے خدشات کے جواب میں کہتا ہے۔

موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لیے
نے کوئی فغفور و خاقاں، نے فقیرِ رہ نشیں
کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک صاف

منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
بادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمیں
چشمِ عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب
یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محرومِ یقیں
ہر نفس ڈرتا ہوں اس اُمّت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتسابِ کائنات(۱۰)

اقبال ایک طرف تو اُمّتِ مسلمہ کو غلبۂ فرنگ کے خلاف بیدار کر رہے تھے تو دوسری جانب انھوں نے عالمِ اسلام کو متحد ہو کر ''چنگیزی افرنگ'' کے خلاف جہاد پر اُبھارا اور نئے جہان کی تعمیر کی دعوت دی جس کی بنیاد اسلامی اخوّت پر اُستوار ہو۔

عالم ہمہ ویرانہ ز چنگیزیِ افرنگ
معمارِ حرم باز بہ تعمیرِ جہاں خیز

اس پیام کو انھوں نے مزید وضاحت کے ساتھ ''مکّہ اور جنیوا'' والی نظم میں بیان کیا تھا۔

اس دور میں اقوام کی صحبت بھی ہوئی عام
پوشیدہ نگاہوں سے رہی وحدتِ آدم
تفریقِ ملل حکمتِ افرنگ کا مقصود
اسلام کا مقصود فقط ملّتِ آدم
مکّے نے دیا خاکِ جنیوا کو یہ پیغام
جمعیتِ اقوام کہ جمعیتِ آدم(۱۶)

واضح رہے کہ جمعیتِ اقوام (League of Nations) کا صدر دفتر اس زمانے میں جنیوا میں تھا لیکن یہ اپنے مقاصد مثلاً امن اور عالمی بھائی چارہ قائم کرنے میں کلیتاً ناکام ہوئی۔ اس کی بنیادی وجہ استعماری قوتوں کے جارحانہ عزائم اور جذبۂ قومیت تھا۔ اقبال نے طہران کی مرکزیت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اسے عالمِ مشرق کا جنیوا بنانے کی خواہش ظاہر کی تھی اور اقوامِ شرق کو متحد ہو کر ملوکیتِ فرنگ کا مقابلہ کرنے کی دعوت دی۔ آپ نے ''جمعیتِ اقوامِ شرق'' کے عنوان سے مندرجہ ذیل اشعار میں اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا۔

دیکھا ہے ملوکیتِ افرنگ نے جو خواب
ممکن ہے کہ اس خواب کی تعبیر بدل جائے
طہران ہو گر عالمِ مشرق کا جنیوا
شاید کرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے (۱۷)

اقبال نے ۱۹۳۵ء میں جمعیتِ اقوام کی ناکامی کی پیشن گوئی کی تھی۔ یہ ادارہ چند برس بعد ختم ہوا تھا۔ اقبال کے نزدیک اس ادارے کی ناکامی کا اہم سبب بڑی طاقتیں مثلاً فرانس، برطانیہ اور جرمنی کے اہرمنی عزائم اور جوع الارض کی ختم نہ ہونے والی ہوس تھی۔ اقبال نے جو کچھ جمعیتِ اقوام کے بارے میں کہا تھا۔ اندیشہ یہ ہے کہ موجودہ دور میں اقوامِ متحدہ کی یہ تقدیر نہ بن جائے۔

بیچاری کئی روز سے دم توڑ رہی ہے
ڈر ہے کہ خبر بد نہ مرے منہ سے نکل جائے
تقدیر تو مبرم نظر آتی ہے ولیکن
پیرانِ کلیسا کی دُعا یہ ہے کہ ٹل جائے
ممکن ہے کہ داشتۂ پیرکِ افرنگ
ابلیس کے تعویذ سے کچھ روز سنبھل جائے (۱۸)

اقبال نے اسلامی دُنیا کے دو اہم مسائل جو آج بھی رستے ہوئے ناسور کی مانند ہیں کے اسباب کی نشان دہی کی تھی۔ ان میں سے پہلا مسئلہ فلسطین تھا اور دوسرا مسئلہ کشمیر تھا۔ فلسطین کے متعلق آپ نے ارشاد فرمایا ؎

زمانہ اب بھی نہیں جس کے سوز سے فارغ
میں جانتا ہوں وہ آتش ترے وجود میں ہے
تری دوا نہ جنیوا میں ہے، نہ لندن میں
فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے (۱۹)

واضح رہے کہ اس وقت فلسطین انگلستان کے زیرِ انتداب تھا۔ یہودیوں کی یورپ اور امریکا کی معیشت اور سیاست پر گرفت اس قدر مضبوط تھی کہ وہ جس سے چاہتے یورپی اقوام سے لڑوا دیتے تھے۔ اقبال کے نزدیک یورپی تہذیب کی بربادی کے ذمہ دار بھی یہودی ہوں۔ آپ نے فرمایا ؎

یہ عیشِ فراواں، یہ حکومت، یہ تجارت
دل سینۂ بے نور میں محروم تجلّی
تاریک ہے افرنگ مشینوں کے دھویں سے
یہ وادیِ ایمن نہیں شایانِ تجلّی
ہے نزع کی حالت میں یہ تہذیبِ جواں مرگ
شاید ہوں کلیسا یہودی متولّی(۲۰)

دوسرا اہم مسئلہ کشمیر کی آزادی کا تھا۔ اقبال کے نزدیک اہلِ کشمیر کے مصائب کا آغاز رُسوائے زمانہ معاہدۂ امرتسر سے ہوا تھا۔ یہ معاہدہ ۱۶/مارچ ۱۸۴۶ء کو ایسٹ انڈیا کے کارپردازوں اور جموں کے راجا گلاب سنگھ کے درمیان طے پایا تھا۔ معاہدے کے تحت ۷۵ لاکھ روپے نانک شاہی کے عوض انگریزوں نے وادیِ کشمیر ڈوگرا راجا کے ہاتھ فروخت کر دی تھی۔(۲۱)

اقبال نے اس ناانصافی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا ؎

بادِ صبا اگر بہ جنیوا گزر کنی
حرفے ز ما بہ مجلسِ اقوام باز گو
دہقان وکشت و جوئے و خیاباں فروختند
قومے فروختند و چہ ارزاں فروختند

کشمیریوں کی زبوں حالی اور افتادگی کے بارے میں اقبال نے ''ارمغانِ حجاز'' میں زیادہ وضاحت سے فرمایا ؎

آج وہ کشمیر ہے محکوم و مجبور و فقیر
کل جسے اہلِ نظر کہتے تھے ایرانِ صغیر
کہہ رہا ہے داستانِ بے دردیِ ایام کی
کوہ و دامن میں غم خانۂ دہقانِ ہیر
آہ! یہ قومِ نجیب، چرب دست، تر دماغ
ہے کہاں روزِ مکافات اے خدائے دیر گیر

اقبال اس صورتِ حال سے مایوس نہ تھے، انھیں یقین تھا کہ کشمیری جہدِ مسلسل سے غلامی کی زنجیریں توڑنے میں کامیاب ہوں۔ زمانے کی روش سے اندازہ ہوتا ہے کہ کشمیری نہ صرف خود آزاد ہوں بلکہ بھارتی سامراج کی زنجیریں توڑ کر مزید مظلوم اقوام کی آزادی کی راہ ہموار کریں۔ اقبال نے فرمایا تھا ؎

گرم ہو جاتا ہے جب محکوم قوموں کا لہو
تھرتھراتا ہے جہانِ چار سُوئے رنگ و بُو
ضربتِ پیہم سے ہو جاتا ہے آخر پاش پاش
حاکمیت کا بتِ سنگیں دل و آئینہ رو

حواشی:

(۱) محمد حمزہ فاروقی (مرتّب)، حیاتِ اقبال کے چند مخفی گوشے (لاہور: ادارۂ تحقیقاتِ پاکستان، دانش گاہ پنجاب، ۱۹۸۸ء)،ص ۴۱۴۔
(۲) کُلّیاتِ اقبال فارسی (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۴ء)،ص ۲۰۳۔۲۰۲؛ پیامِ مشرق،ص ۲۷۔۲۶
(۳) کُلّیاتِ اقبال اُردو (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۴ء)،ص ۶۹۱؛ ضربِ کلیم،ص ۱۹۱۔
(۴) کُلّیاتِ اقبال اُردو،ص ۶۶۲؛ ضربِ کلیم،ص ۱۶۳۔
(۵) محمد حمزہ فاروقی، سفر نامۂ اقبال (کراچی: مکتبۂ اسلوب، ۱۹۸۹ء)،ص ۱۵۸۔۱۵۹
(۶) کُلّیاتِ اقبال اُردو،ص ۷۱۴؛ ارمغانِ حجاز،ص ۲۲۔
(۷) کُلّیاتِ اقبال اُردو،ص ۴۸۸؛ بالِ جبریل،ص ۱۶۵۔
(۸) ایضاً،ص ۴۸۹؛ بالِ جبریل،ص ۱۶۵۔
(۹) ایضاً،ص ۴۸۶؛ بالِ جبریل،ص ۱۵۸۔
(۱۰) ایضاً،ص ۵۰۰؛ بالِ جبریل،ص ۱۷۶۔
(۱۱) ایضاً،ص ۶۵۸؛ ضربِ کلیم،ص ۱۵۸۔
(۱۲) ایضاً،ص ۷۰۷؛ ارمغانِ حجاز،ص ۱۵۔
(۱۳) ایضاً،ص ۷۰۹؛ ایضاً،ص ۱۷۔
(۱۴) ایضاً،ص ۷۰۴؛ ایضاً،ص ۱۲۔
(۱۵) ایضاً،ص ۷۱۲؛ ایضاً،ص ۲۰۔
(۱۶) ایضاً،ص ۵۷۱۔۵۷۰؛ ضربِ کلیم،ص ۷۱۔۷۰
(۱۷) ایضاً،ص ۶۵۹؛ ضربِ کلیم،ص ۱۵۹۔
(۱۸) ایضاً،ص ۶۶۸؛ ضربِ کلیم،ص ۱۶۸۔
(۱۹) ایضاً،ص ۶۷۱؛ ضربِ کلیم،ص ۱۷۱۔
(۲۰) ایضاً،ص ۶۵۱؛ ضربِ کلیم،ص ۱۵۱۔
(۲۱) انقلاب، لاہور، جلد ۲۱، نمبر ۱۴۳، چہار شنبہ، ۵ رجون ۱۹۴۶ء۔
(۲۲) کُلّیاتِ اقبال اُردو،ص ۷۴۰۔۷۳۹؛ ارمغانِ حجاز،ص ۴۸۔۴۷۔

مآخذ:

۱۔ فاروقی، محمد حمزہ، سفر نامۂ اقبال، کراچی: مکتبۂ اسلوب، ۱۹۸۹ء۔

۲۔ _________ (مرتّب)، حیاتِ اقبال کے چند مخفی گوشے، لاہور: ادارۂ تحقیقاتِ پاکستان، دانش گاہ پنجاب، ۱۹۸۸ء۔

۳۔ کُلّیاتِ اقبال فارسی، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۴ء۔

۴۔ کُلّیاتِ اقبال اُردو، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۴ء۔